مولانا محمد علی جوہر صدی کانفرنس
۱۶ر تا ۱۹ر دسمبر ۱۹۷۸ء

پروفیسر اختر راہی صاحب۔ ایم۔ اے

مولانا محمد علی جوہرؒ کی ایک تاریخی کامیابی

ــــــــــ قانون بابت توہین مذاہب میں ترمیم

برصغیر پاک و ہند میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں سے ہندو مسلم اتحاد کی جو فضاء قائم ہوئی تھی سوامی شردھانند کی برپا کردہ "تحریک شدھی" نے اسے غارت کر دیا۔ اتحاد اور امن و آشتی کی جگہ ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ آتش زنی اور قتل و غارت کی واردات روزمرّہ کا معمول تھیں۔ یہ ناخوشگوار حالات آریہ سماجی مبلغوں کی تقریروں اور ان کی زہر آلود تحریروں سے مزید خراب ہو رہے تھے۔ اس دور کی دلآزار تحریروں میں سے ایک کتاب "رنگیلا رسول" تھی جو ایک آریہ سماجی ناشر راج پال نے لاہور سے شائع کی تھی۔ اس کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بعض پہلوؤں پر اور دین اسلام پر سوقیانہ حملے کئے گئے تھے۔ کتاب پر مصنّف کا نام درج نہ تھا۔ ناشر نے اپنا نام و پتہ درج کر کے پریس ایکٹ کا پیٹ بھر دیا تھا۔

کافی دنوں تک یہ کتاب مسلمانوں کے نوٹس میں نہ آئی۔ صوبائی حکومت کی پریس برانچ نے بھی کوئی اقدام نہ کیا۔ آخر اس کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے تو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ صوبائی حکومت نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ ۔ الف کے تحت دو فرقوں کے درمیان مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام میں ناشر راج پال کے خلاف کارروائی کی۔ لاہور کے سٹی مجسٹریٹ فیلبوس کی عدالت میں مقدمہ کی خاصی طویل سماعت کے بعد ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ سیشن کورٹ میں بھی ملزم کو مجرم گردانا گیا۔ البتہ اسکی سزا میں تخفیف کر دی گئی۔ تقریباً تین سال کے بعد ۱۹۲۷ء میں راج پال کیطرف سے نظرثانی کی درخواست ہائی کورٹ میں پیش کی گئی درخواست کی سماعت کنور دلیپ سنگھ[۲] جج نے کی۔ کنور دلیپ سنگھ نے ۵ر مئی ۱۹۲۷ء کو یہ فیصلہ سنایا کہ یہ کتاب دفعہ ۱۵۳ الف یا کسی اور دفعہ کی زد میں نہیں آتی۔ اس لئے ملزم مذکور کو بری کیا جاتا ہے۔

کنور دلیپ سنگھ کے اس فیصلے نے مسلمانوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ کیا واقعی تعزیرات ہند میں کوئی ایسی

دفعہ نہیں جس کے تحت کروڑوں افراد کی دل آزاری کرنے والے کو سزا دی جا سکتی۔ مسلمانانِ لاہور سراپا احتجاج بن گئے۔ متعدد جلسے ہوئے، جلوس نکلے، مذمت کی قرار دادیں منظور ہوئیں۔ سب سے بڑا اور معرکہ خیز جلسہ درگاہ حضرت شاہ محمد غوثؒ بیرون دہلی دروازہ کے قریب منعقد ہوا۔ اس جلسے سے پنجاب کے آتش نوا خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے خطاب کیا۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کو مخاطب کیا :

"تو وہ دیکھیے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کے دروازے پر تشریف لا کر پوچھ رہی ہیں کہ میری ناموس اور عزت کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات کئے جا رہے ہیں۔"[۳]

یہ جملے ایسے ڈرامائی انداز میں ادا کئے گئے تھے کہ سامعین جلسہ کے جذبات بپھر گئے۔ جلسہ برخاست ہوا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کی بجائے سول سکرٹریٹ کیطرف چل پڑے۔ حکومت کے خلاف نعروں سے لاہور کے درو دیوار گونج اٹھے۔ انتظامیہ نے حالات پر قابو پانے کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ جلوس منتشر کر دیا گیا اور رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، غازی عبدالرحمٰن امرتسری اور شیخ حسام الدین ایک ایک سال کیلئے جیل بھیج دئے گئے۔

مسلم اخبارات نے دلیپ سنگھ کے فیصلے پر سخت تنقید کی۔ لاہور سے مسلمانوں کا ایک ہی انگریزی اخبار "مسلم آؤٹ لک" چھپتا تھا۔ اس نے اپنے اداریوں میں کھل کر یہ لکھا کہ جج نے قانون کی غلط تشریح کی ہے۔ اس پر اخبار کے پرنٹر پبلشر مولوی نور الحق اور ان کے ایک عزیز (ڈمی ایڈیٹر) دلاور شاہ بخاری پر توہینِ عدالت کا مقدمہ دائر ہوا اور دونوں حضرات کو دو دو ماہ قید اور ایک ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔

عوامی سطح پر اس ردعمل کے پہلو بہ پہلو لاہور کے با اثر مسلمانوں کا ایک وفد سر محمد شفیع کی قیادت میں گورنر سر میلکم ہیلی سے ملا اور اسے بگڑتی ہوئی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ گورنر نے وفد کی گزارشات سن کر وعدہ کیا کہ وہ مزید چھان بین کریں گے۔ اگر واقعی قانون میں کوئی سقم معلوم ہوا تو اسے دور کرانے کی کوشش کریں گے۔ لاہور کے آریہ سماجی راہنماؤں کو گورنر کی یہ زبانی ہمدردی پسند نہ آئی۔ انہوں نے گورنر کے رویے کے خلاف وائسرائے کو اس مضمون کا احتجاجی تار بھیجا کہ مسلمانوں کے ایک وفد نے گورنر کے سامنے عدالت عالیہ کے فیصلے پر نکتہ چینی کی اور گورنر نے اس وفد کے نقطہ نظر سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔

"مسلم آؤٹ لک" نے مسلمانوں کو نعرہ دیا تھا "دلیپ سنگھ مستعفی ہو جاؤ" اور یہ نعرہ زبان زدِ عام و خاص تھا۔ توہینِ عدالت کے جرم میں مسلمان زندان کے ویرانے آباد کر رہے تھے اور جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر جو بقول سید سلیمان ندوی سچے مسلمان غم خوار تھے۔ ان کے دل میں اسلام کا حقیقی سوز تھا، اور

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا عشق تھا۔[۴] انہوں نے ۲۷ جون ۱۹۲۷ء کے "ہمدرد" (دہلی) میں کنور دلیپ سنگھ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"جو فیصلہ کنور دلیپ سنگھ نے لکھا ہے اور جسے میں نے بار بار پڑھا۔۔۔ اس میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے ان کا تعصب مذہبی ظاہر ہوتا یا ان کی بد دیانتی مترشح ہوتی۔[۵]"

مولانا جوہر کا تجزیہ یہ تھا کہ:

"قاضی کے متعلق کوئی بات بھی ایسی مجھے معلوم نہیں جس بنا پر میں اس سے استعفیٰ طلب کروں بلکہ اس کا فیصلہ پڑھنے کے بعد اور تعزیرات ہند کے باب ہشتم دربارہ جرائم خلاف امن عامہ کی دفعہ ۱۵۳۔ الف۔ اور باب پانزدہم دربارہ جرائم متعلق مذہب کی تمام دفعات ۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷۔ اور ۲۹۸ کا بار بار اور بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھے خود بہت سخت شبہ ہوتا ہے کہ قصور قاضی کا نہیں ہے بلکہ قانون کا ہے۔[۶]"

مزید لکھتے ہیں:

"میں صاف کہنا چاہتا ہوں کہ غالباً وہ (کنور دلیپ سنگھ) پہلے جج ہیں جنہوں نے ہم پر یہ احسان کیا ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی بھونڈے طریقہ پر کیوں نہ کیا ہو کہ ہم پر ظاہر کر دیا کہ تعزیرات ہند میں ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جس کی رو سے:

۱۔ توہین بانی اسلام　۲۔ توہین اسلام　۳۔ بانی اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا۔　۴۔ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا　۵۔ مسلمانوں کی دل آزاری۔ اور مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے دلوں میں حقارت پیدا کرنا۔ ان چھ سنگین ترین جرائم میں سے ایک بھی جرم ہو۔[۷]"

ہیجان انگیز فضا میں مولانا محمد علی کی یہ آواز جوشیلے راہنماؤں کو پسند نہ آئی۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے آکسفورڈ کے رفیق کنور دلیپ سنگھ کی جانب داری کر رہے ہیں۔ مولانا کے ایک دیرینہ دوست اور قوم کے مخلص خدمت گار میر غلام بھیک نیرنگ نے انہیں ایک تند و تیز خط لکھا جس میں ان کی روش پر اظہار ناپسندیدگی کیا تھا۔ اس مکتوب کا ایک حصہ یہ تھا:

"خدا کے واسطے اب مقدمہ راجپال کی بحث کو اور ایسے مضمون کو جو اس بحث سے لفظاً یا معناً ظاہراً یا باطناً صراحۃً یا اشارۃً یا کنایۃً یا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق قریب یا بعید حقیقی یا فرضی واقعی یا وہمی اصلی یا مصنوعی رکھتا ہو بند کر دیجئے۔ آپ کے تمام

راسخ العقیدت نیاز مند پڑھتے پڑھتے اور سنتے سنتے تھک گئے کہ مسٹر دلیپ سنگھ نے بد دیانتی نہیں کی۔[۸]

مولانا نے اپنے ان" راسخ العقیدت نیاز مند" کو جو اپنے جذبہ اسلام اور ہیجان خیز ماحول سے متاثر ہو کر برہم تھے۔ جواب میں لکھا :

"نوازش نامہ ابھی ملا۔ ابتدائی فقرہ پڑھا۔۔۔۔۔۔اس ابتدائی فقرہ کی ابتدا پر بھی نظر پڑی اور خدا کا واسطہ نظر آیا۔ اس نے مجبور کر دیا کہ جب تک آپ کی اور پنجاب کی اصلاح نہ ہو جائے لکھے جاؤں۔[۹]"

مولانا محمد علی نے لکھنے کے ساتھ ملک بھر کا دورہ کیا۔ پبلک جلسوں سے خطاب کیا اور راہنماؤں کو دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کی۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس کی صدارت کے لئے مولانا محمد علی کو بطور خاص مدعو کیا گیا۔ وہاں جلسہ میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے راہنما اپنے روایتی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر یکجا تھے۔ نقیب اہل سنت "النجم" کے مدیر مولانا عبدالشکور فاروقی اور شیعہ کانفرنس کے سیکرٹری ایک ہی سٹیج پر مولانا محمد علی کے پہلو بہ پہلو نظر آرہے تھے۔ عوام کے ساتھ ساتھ راجہ صاحب محمود آباد۔ ٹھاکر نواب علی اور دوسرے تعلقداران اودھ بھی حاضرین جلسہ میں شامل تھے۔

مولانا محمد علی نے صدارتی تقریر میں قانون میں ترمیم کرانے پر زور دیا۔ حاضرین اچھا اثر لے کر اٹھے مغرب کی نماز کے بعد دوسری نشست میں دیگر مقررین کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ مولانا ظفر الملک علوی نے ایسی پر جوش اور ہنگامہ خیز تقریر کی کہ پنڈال فلک شگاف نعروں سے گونجنے لگا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہجوم بے قابو ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس عالم میں مولانا محمد علی نے تقریر کی جو ان کی صحیح اور تاریخی راہنمائی کی ایک مثال بھی ہے۔[۱۰] انہوں نے کہا :

"ایسی کتابیں اور مضامین یقیناً ہر مسلمان کا خون کھولا دینے کے لئے کافی ہیں۔ جتنا بھی جوش و خروش آپ میں پیدا ہو سب بجا ہے۔ لیکن اصل کوشش فتنہ کے سرچشمہ کو بند کرنے کی ہونی چاہئے نہ کہ فلاں جج کو ہٹا دینے کی۔ قصور قاضی کا نہیں قصور خود قانون کا ہے۔ میں کوئی وکیل نہیں، بیرسٹر نہیں۔ قانون میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو ہو کر سیکھا ہے۔ تو مجھ عامی کا پر زور مشورہ یہی ہے کہ آئندہ سد باب فتنہ کے لئے قانون ہی کو بدلوائیے اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین بانیان مذاہب کو جرم قرار دیجئے۔ اب تک یہ کوئی مستقل جرم ہی آپ کے ملکی قانون میں نہیں۔[۱۱]"

مولانا محمد علی نے خود ہی ترمیم کا مسودہ تیار کیا[۱۲] جو ان ہی الفاظ اور جملوں پر مشتمل تھا جو تعزیرات ہند میں استعمال ہوئے ہیں[۱۳] انہوں نے مسودہ وائسرائے کو بھیجا اور اس کے نام خط میں لکھا :

"ہز ایکسیلنسی کی گورنمنٹ کی توجہ کیلئے میں یہ عرض کردوں گا کہ وہ سرکاری مسودہ قانون کی حیثیت سے اسکو پیش کرائیں[۱۴] "

روزنامہ ہمدرد کے اداریوں اور مولانا محمد علی کی زبانی تقریروں سے حکومت ہند نے اس "ترمیم" کی اہمیت تسلیم کرلی۔ چنانچہ دفعہ ۲۹۵ میں ترمیمی بل (دفعہ ۲۹۵ الف) حکومت ہند کے ہوم ممبر[۱۵] آنریبل مسٹر جسٹس کریر ار۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای نے ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی میں ۵ ستمبر ۱۹۲۷ء کو پیش کیا۔

ہوم ممبر نے اس بل کو سترہ ارکان پر مشتمل مجلس منتخبہ (سیلیکٹ کمیٹی) کے سپرد کرنے کی تجویز پیش کی جو سات روز کے اندر اپنی رپورٹ ایوان میں پیش کرے۔ ہوم ممبر نے مسودہ کے اغراض و مقاصد پر طویل تقریر کی۔ انہوں نے مجموعہ تعزیرات ہند میں موجود دفعات کو توہین مذہب کے سلسلے میں ناکافی قرار دیا۔ اور تجویز کیا کہ ملک کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر یہ ترمیمی بل فوراً منظور کرلیا جائے۔

اس مسودہ پر ارکان اسمبلی میں سے مشرقی پنجاب کے مسلمان رکن جناب عبدالحیٔ نے حکومت کو مبارکباد پیش کی۔ بمبئی کے جناب ڈی وی بیلوی نے مزید یہ ترمیم پیش کی کہ بل کو مجلس منتخبہ کے سپرد کرنے کی بجائے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا جائے۔ جناب بیلوی کی اس ترمیم پر ارکان اسمبلی نے بحث و تمحیص کی۔ اسمبلی کی کاروائی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف جملہ مسلمان ارکان بل کو جلد از جلد قانون کی شکل دینا پسند کرتے تھے تو دوسری طرف ہندو ارکان کی ایک خاصی تعداد تاخیری حربے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

بحث و تمحیص کے بعد ایوان سے رائے لی گئی جس نے جناب بیلوی کی ترمیم مسترد کردی اور بل کا مسودہ مجلس منتخبہ کے سپرد کردیا گیا۔

مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر اسمبلی نے ۱۶ ستمبر سے ۱۹ ستمبر تک غور کیا۔ جناب بیلوی نے دوبارہ یہ رائے دی کہ مجلس کی رپورٹ ۱۵ جنوری ۱۹۲۸ء تک رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے شائع کردی جائے۔ رپورٹ پر دلچسپ بحث ہوئی۔ بعض ہندو ارکان نے اس بل کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اور ترمیم پیش کی کہ یہ بل صرف مسلمانوں کے پیغمبر سے مخصوص ہونا چاہئے۔

مسلمان ارکان میں سے یو۔ پی کے تصدق احمد خان شروانی کا نقطۂ نظر تعجب انگیز تھا۔ وہ ذاتی طور پر اس قانون کو غیر ضروری قرار دیتے تھے۔ مگر جس حلقے کی نمائندگی کرتے تھے اس کے سات شہروں میں سے چار نے بل کے حق میں قراردادیں منظور کی تھیں۔ اس لئے وہ بھی بل کی حمایت کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

تین دن کی طویل بحث کے بعد قانون رائے شماری کے لئے ایوان میں پیش کیا گیا۔ ۲۶ ووٹوں کی مخالفت اور ۶۱ ووٹوں کی موافقت سے مسوّدہ قانون منظور کر لیا گیا۔ اور ۱۹ ستمبر کو کونسل آف سٹیٹ کو بھیج دیا گیا۔ ان ۲۶ مخالف ارکان میں سے کوئی مسلمان رکن نہیں تھا۔

۲۱ ستمبر ۱۹۲۷ء کو کونسل آف سٹیٹ کے سامنے مسوّدہ قانون پیش ہوا۔ کونسل میں بھی وہی رجحان تھا کہ ہندو ارکان کی معتدبہ تعداد مسودہ کی مخالفت کر رہی ہے اور مختلف ترامیم کے ذریعہ اس کے دائرۂ اثر کو محدود کرنا چاہتی تھی۔ بحث کے بعد مسوّدہ پر رائے شماری ہوئی۔ اور کثرت رائے سے منظور ہوا۔[۳]

ان تمام مراحل سے گزر کردہ "مسوّدہ قانون" جو مولانا محمد علی جوہر کی غور و فکر کا نتیجہ تھا اور قانوناً حکومتِ ہند کے ہوم ممبر نے پیش کیا تھا حسب ذیل الفاظ میں دفعہ ۲۹۵۔الف کی صورت میں مجموعہ تعزیرات ہند اور اب مجموعہ تعزیرات پاکستان میں موجود ہے:

"جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں) کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے کے ارادی اور کینہ ورانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا دکھائی دینے والے خاکوں کے ذریعہ مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقاد اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے۔ یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔[۳]"

حواشی

۱۔ کتاب کا مصنّف کون تھا، اس بارے میں دو نام لئے جاتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نام ڈی۔اے۔وی کالج کے پروفیسر چموپتی ایم۔اے کا ہے۔ اور دوسرا نام پرتاپ (لاہور) کے مدیر مہاشہ کرشن کا۔ جن کے راجپال کے ساتھ دوستانہ اور کاروباری تعلقات تھے۔ غالب قیاس پروفیسر چموپتی کے متعلق ہے۔ میاں ابو الفتح نے چموپتی لال ایم اے کو فرضی مصنّف قرار دیا ہے۔ جو درست نہیں۔ (غازی علم الدین شہید۔ مکتبہ میری لائبریری لاہور۔ ص ۲۲)

۲۔ کنور دلیپ سنگھ ریاست کپور تھلہ کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد اپنا آبائی سکھ مذہب ترک کر کے عیسائی ہو گئے تھے۔ اور کنور دلیپ سنگھ پیدائشی طور عیسائی تھے۔ (افادات محمد علی ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد ص ۱۷۳)

۳۔ میاں محمد ابو الفتح غازی علم الدین شہید۔ مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور۔ ۱۹۷۲ء۔ ص۔ ۲۹

۴ے سید سلیمان ۔ یادِ رفتگان (مکتبہ الشرق ۔کراچی ۱۹۵۵ ۔ ص ۲۱۰)

۵ے رئیس احمد جعفری ۔ افادات محمد علی (ادارۂ ادبیات اردو ۔حیدر آباد دکن ۔ ۱۹۴۵ ۔ ص ۱۶۰)

۶ے ایضاً ص ۱۶۱

۷ے ایضاً ص ۱۷۰

۸ے ایضاً ص ۲۰۴ نیز رئیس احمد جعفری ۔سیرت محمد علی (کتاب منزل لاہور طبع دوم ۱۹۵۰ ۔ ص ۲۸۵

۹ے رئیس احمد جعفری ۔ افادات محمد علی (ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن ۔ ۱۹۴۵ء ص ۲۰۴

۱۰ے عبد الماجد دریا بادی ۔ محمد علی کی ذاتی ڈائری حصہ اوّل ص ۴۱۹ (دار المصنّفین اعظم گڑھ)

۱۱ے ایضاً ص ۴۱۸

۱۲ے مولانا محمد علی کا مسوّدہ یہ تھا "جو کوئی شخص کسی کا دل دکھانے ،کسی شخص کے مذہب کی توہین کرنے کی نیّت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس کے ذریعہ سے کسی شخص کا دل دُکھے گا یا کسی شخص کے مذہب کی توہین ہوگی۔

ایسی باتوں کے ذریعہ سے جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا اشاروں کے ذریعہ سے یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ سے یا اور اسی طرح کسی نبی یا ولی یا اور شخص کی جسے لوگوں کا فرقہ اس طرح مقدس سمجھتا ہو۔ توہین کرے یا اسکی نسبت ایسا اتہام لگائے یا مشتہر کرے جس سے اور لوگوں میں اسکی ملکات کی خفت ہو تو اسکو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جسکی میعاد تین برس تک ہو سکتی ہے ۔یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ (سیرت محمد علی ص ۴۸۷ ۔ ۴۸۸)

۱۳ے رئیس احمد جعفری ۔ افادات محمد علی ۔ (ادارہ اشاعت اردو ۔حیدر آباد ۔ دکن) ۱۹۴۵ء ص ۲۲۵

۱۴ے ایضاً ص ۲۱۵

۱۵ے سیرت محمد علی میں ہے کہ یہ قانون اسمبلی میں نواب ذو الفقار خان نے پیش کیا تھا ۔ص ۴۸۹ یہ روایت درست نہیں ۔ نواب ذو الفقار علی خان قائد اعظم محمد علی جناح کی تجویز سے مجلس منتخبہ کے رکن لئے گئے تھے ۔

۱۶ے تفصیلات کے لئے دیکھئے ۔ دوسری کونسل آف سٹیٹ (۱۹۲۷ء) کے تیسرے اجلاس کی روداد جلد دوم (گورنمنٹ آف انڈیا پریس شملہ نومبر ۱۹۲۷ء)

۱۷ے مجموعہ تعزیرات پاکستان ۔

۱۸ے تفصیلات کے لئے دیکھئے ۔تیسری قانون ساز اسمبلی (۱۹۲۷ء) کے پہلے اجلاس کی روداد جلد چہارم و پنجم (گورنمنٹ آف انڈیا پریس شملہ جنوری ۱۹۲۸ء)

Peek Freans

Have some food between meals.

Take a Peek Freans biscuit